خمس ذوی القربیٰ

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں کہ فقراء ذوی القربیٰ کا حق خمس غنیمت میں دوسرے مصارف یعنی یتیم، مسکین، مسافر سے مقدم ہے۔ کیونکہ فقراء ذوی القربیٰ کی امداد زکوٰۃ وصدقات سے نہیں ہوسکتی دوسرے مصارف زکوٰۃ وصدقات سے بھی ہوسکتے ہیں (کما صرح بہ فی الہدایہ ویقدمون) البتہ اغنیاء ذوی القربیٰ کو ـــــــــ

ـــــــــ اس میں سے دیا جائے گا یا نہیں۔ اس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کا فرمانا یہ ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی جو ذوی القربیٰ کو عطا فرماتے تھے تو اُس کی دو بنیادیں تھیں ایک اُن کی حاجتمندی اور فقر دوسرے اقامتِ دین اور دفاع عن الاسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وامداد۔ دوسرا سبب تو وفاتِ نبوی کے ساتھ ختم ہوگیا صرف پہلا سبب فقر وحاجتمندی رہ گیا اُس کی بنا پر تاقیامت ہر امام وامیر اُن کو دوسروں سے مقدم رکھے گا (ہدایہ۔ جصاص)۔ امام شافعیؒ سے بھی یہی قول منقول ہے (قرطبی)

اور بعض فقہاء کے نزدیک سہم ذوی القربیٰ بحیثیت قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے باقی ہے جس میں اغنیاء اور فقراء سب شریک ہیں البتہ امیرِ وقت اپنی صوابدید کے مطابق اُن کو حصہ دے گا۔ (مظہری)

اور اصل چیز اس معاملہ میں خلفاء راشدین کا تعامل ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا کیا۔ صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق لکھا ہے۔

ان الخلفاء الاربعۃ الراشدین قسموہ علی ثلثۃ اسہم۔	چاروں خلفاء راشدین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس غنیمت کو صرف تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے یتیم، مسکین، فقیر۔

البتہ حضرت فاروق اعظمؓ سے ثابت ہے کہ فقراء ذوی القربیٰ کو خمس غنیمت سے دیا کرتے تھے (اخرجہ ابوداؤد) اور ظاہر ہے کہ یہ تخصیص صرف فاروقِ اعظمؓ کی نہیں دوسرے خلفاء کا بھی یہی عمل ہوگا۔

اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اپنے آخری زمانۂ خلافت تک ذوی القربیٰ کا حق نکالتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اُس کا متولی بنا کر ذوی القربیٰ میں تقسیم کراتے تھے (کما فی روایۃ کتاب الخراج لابی یوسف) تو یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ وہ تقسیم فقراء ذوی القربیٰ کے لئے مخصوص ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فائدہ ذوی القربیٰ کی تعیین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے اس طرح فرمادی کہ بنو ہاشم تو آپ کا اپنا قبیلہ ہی تھا بنو المطلب کو بھی ان کے ساتھ اس لئے شامل

فرمالیا تھا کہ یہ لوگ بھی جاہلیت واسلام میں کبھی بنو ہاشم سے الگ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قریش مکہ نے جب غذائی مقاطعہ بنو ہاشم کا کیا اور اُن کو شعب ابی طالب میں بند کردیا تو بنو المطلب کو اگرچہ قریش نے مقاطعہ میں داخل نہیں کیا تھا مگر یہ لوگ اپنی رضامندی سے مقاطعہ میں شریک ہوگئے (مظہری)

غزوۂ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا

آیتِ مذکورہ میں بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ سب سے پہلے مادّی اور ظاہری طور پر مسلمانوں کی واضح فتح اور کفار کی عبرتناک شکست اس دن میں ہونے کی بنا پر کفر و اسلام کا ظاہری فیصلہ بھی اس دن ہوگیا۔

إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ

جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ پرلے کنارہ پر اور قافلہ

أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن

نیچے اتر گیا تھا تم سے، اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ لیکن

لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن

اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام کو جو مقرر ہو چکا تھا، تاکہ مرے جس کو مرنا ہے قیام حجت

بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد، اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا

جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے، اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا

لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ

تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں لیکن اللہ نے بچا لیا، اس کو خوب معلوم ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي

جو بات ہے دلوں میں۔ اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری

أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ

آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا اُن کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو مقرر

ع ۵

مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

ہو چکا تھا، اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام۔

خلاصۂ تفسیر

یہ وہ وقت تھا کہ جب تم اس میدان کے اِدھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ (یعنی کفار) اُس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے (ادھر والے سے مراد مدینہ سے نزدیک کا موقع اور اُدھر والے سے مراد مدینہ سے دور کا موقع) اور وہ قافلہ (قریش کا) تم سے نیچے کی طرف کو (بچا ہوا) تھا (یعنی سمندر کے کنارے کنارے جارہا تھا حاصل یہ کہ پورے جوش کا سامان جمع ہو رہا تھا کہ دونوں آپس میں آمنے سامنے تھے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر جوش میں آئے اُدھر قافلہ رستہ ہی میں تھا جس کی وجہ سے لشکر کفار کو اس کی حمایت کا خیال دلنشین ہوا جس سے اور جوش میں زیادتی ہو غرض وہ ایسا شدید وقت تھا پھر بھی خدا تعالیٰ نے تم پر امداد غیبی نازل کی جیسا اوپر ارشاد ہوا ہے اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا) اور (وہ تو مصلحت یہ ہوئی کہ اتفاقاً مقابلہ ہو گیا ورنہ) اگر (پہلے سے حسب معمول وعادت) تم اور وہ (لڑائی کے لئے) کوئی بات ٹھہراتے (کہ فلاں وقت لڑیں گے) تو (مقتضا حالتِ موجودہ کا یہ تھا کہ) ضرور اس تقرر کے بارہ میں تم میں اختلاف ہوتا (یعنی خواہ صرف مسلمانوں میں باہم کہ بوجہ بے سروسامانی کے کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا اور خواہ کفار کے ساتھ اختلاف ہوتا جس کی وجہ اس طرف کی بے سرو سامانی اور اس طرف مسلمانوں کا رعب بہرحال دونوں طرح اس جنگ کی نوبت نہ آتی پس اس میں جو فوائد ہوئے وہ ظہور میں نہ آتے جن کا بیان لِيَهْلِكَ میں آتا ہے) لیکن (اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کر دیا کہ اس کی نوبت نہیں آئی بلا قصد لڑائی ٹھن گئی) تاکہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے یعنی تاکہ (حق کا نشان ظاہر ہو جائے اور) جس کو برباد (یعنی گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ (یعنی ہدایت یافتہ) ہونا ہے وہ (بھی) نشان آئے پیچھے زندہ ہو (مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا لڑائی ہونا تاکہ ایک خاص طریق سے اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے کہ اس قلتِ عدد وکم سامانی پر مسلمان غالب آئے جو کہ خارق عادت ہے جس سے معلوم ہو کہ اسلام حق ہے پس اس سے حجت الٰہیہ تام ہو گئی اس کے بعد جو گمراہ ہوگا وہ وضوحِ حق کے بعد ہوگا کہ جس میں عذاب کا پورا استحقاق ہو گیا اور عذر کی گنجائش ہی نہ رہی اسی طرح جس کو ہدایت ہونا ہوگا وہ حق کو قبول کرلے گا۔ خلاصہ حکمت کا یہ ہوا کہ حق واضح ہو جائے) اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں (کہ اس وضوح کے بعد زبان اور قلب سے کون کفر کرتا ہے اور کون ایمان لاتا ہے اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے (چنانچہ آپ نے صحابہ کو اس خواب کی خبر کی ان کے دل خوب قوی ہو گئے) اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ کر کے دکھا دیتے (اور آپ صحابہ سے فرما دیتے)

تو (اے صحابہؓ) تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور اس امر (قتال) میں تم میں باہم نزاع (اور اختلاف) ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے (اس کم ہمتی اور اختلاف سے تم کو) بچا لیا بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے (اس کو معلوم تھا کہ اس طرح ضعف پیدا ہوگا اس طرح قوت، اس لئے ایسی تدبیر کی) اور (صرف خواب ہی میں آپ کو کم دکھلانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تتمیم حکمت کے لئے بیداری میں مقابلہ کے وقت مسلمانوں کی نظر میں بھی کفار کم دکھلائی دیئے جیسا کہ بالعکس بھی ہوا جو کہ واقع کے مطابق بھی تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں جبکہ تم مقابل ہوئے ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور (اسی طرح) ان کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تاکہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے (جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے لیھلك من ھلك الخ) اور سب معاملے خدا ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے (وہ مالک اور حیّ یعنی گمراہ اور مہتد کو سزا وجزا دیں گے)۔

معارف ومسائل

غزوۂ بدر کفر و اسلام کا وہ پہلا معرکہ تھا جس نے ظاہری اور مادی طور پر بھی اسلام کی برتری اور حقانیت کا ثبوت دیا اس لئے قرآن کریم نے اس کی تفصیلات بیان کرنے کا خاص اہتمام فرمایا۔ آیاتِ متذکرہ میں اسی کا بیان ہے۔ جس کے ذکر میں بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ ایک خاص مصلحت اس کا اظہار ہے کہ اس معرکہ میں ظاہری اور مادی طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہ تھا اور مشرکینِ مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت نے سارے ساز و سامان اور ظاہری اسباب کی کایا پلٹ دی۔ اسی واقعہ کی وضاحت کے لئے ان آیات میں غزوۂ بدر کے محاذِ جنگ کا پورا نقشہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے ان آیات کی تشریح سے پہلے چند الفاظ ولغات کی تشریح دیکھ لیجئے۔

عُدْوَة کے معنی ایک جانب کے آتے ہیں اور لفظ دنیا ادنیٰ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر۔ آخرت کے مقابلہ میں اس جہان کو بھی دنیا اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم آخرت کی نسبت انسان کی طرف قریب تر ہے۔ اور لفظ قُصْوٰی اقصیٰ سے بنا ہے اقصیٰ کے معنی ہیں بعید تر۔

بیالیسویں آیت میں ہلاکت اور اُس کے مقابلہ میں حیات کا ذکر آیا ہے۔ ان دونوں لفظوں سے موت وحیات کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنوی موت وحیات یا ہلاکت ونجات مراد ہے۔ معنوی حیات اسلام وایمان ہے اور موت شرک وکفر۔ قرآن کریم نے کئی جگہ یہ الفاظ اس معنی میں

استعمال کئے۔ ایک جگہ ارشاد ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ یعنی اے ایمان والو تم کہا مانو اللہ و رسول کا جب تم کو وہ ایسی چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہاری حیات ہے۔ مراد حیات سے وہ حقیقی حیات اور دائمی راحت ہے جو ایمان و اسلام کے صلہ میں ملتی ہے۔ اب آیات کی تفسیر یہ ہوئی کہ۔

بیالیسویں آیت میں غزوہ بدر کے محاذِ جنگ کا نقشہ یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان عُدْوَہ دُنیا کے پاس تھے اور کفار عُدْوَہ قصْوٰی کے پاس۔ مسلمانوں کا مقام اس میدان کے اس کنارہ پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار میدان کے دوسرے کنارے پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا۔ اور ابو سفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ بھی مکہ سے آنے والے لشکر کفار سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ اس نقشہ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ ٹھہرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے کا بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان ظاہری اعتبار سے نہ تھا۔ کیونکہ اس میدان کی وہ جانب جو مدینہ سے قریب تھی ایک ریتیلی زمین تھی جس میں چلنا بھی دُوبھر تھا۔ پھر پانی کی کوئی جگہ ان کے پاس نہ تھی۔ اور مدینہ سے بعید والی جانب جس پر کفار نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ صاف زمین تھی اور پانی بھی وہاں سے قریب تھا۔

اور اس میدان کے دونوں کناروں کا پتہ دے کر یہ بھی بتلا دیا کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ کسی کی طاقت یا ضعف دوسرے سے مخفی نہ رہ سکتا۔ نیز یہ بھی بتلا دیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر کو یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ہمارا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اب اگر ہمیں ضرورت پڑے تو وہ بھی ہماری امداد کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمان اپنی جگہ کے اعتبار سے بھی تکلیف و پریشانی میں تھے اور کہیں سے کمک ملنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا۔ اور یہ بات پہلے سے متعین اور ہر لکھے پڑھے آدمی کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار۔ مسلمانوں کے پاس نہ سواریوں کی تعداد کافی تھی اور نہ اسلحہ کی۔ اُس کے بالمقابل لشکر کفار ان سب چیزوں سے آراستہ تھا۔

نہ مسلمان اس جہاد میں کسی مسلح لشکر سے جنگ کی طیاری کر کے نکلے تھے۔ ہنگامی طور پر ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے اور دشمن کی قوت کو پست کرنے کے خیال سے صرف تین سو تیرہ مسلمان بے سامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اچانک غیر ارادی طور پر ایک ہزار جوانوں کے مسلح لشکر سے مقابلہ پڑ گیا۔

قرآن کی اس آیت نے بتلایا کہ لوگوں کی نظر میں یہ واقعہ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ کی صورت میں

بلا ارادہ پیش آیا۔ لیکن دنیا میں جتنے اتفاقات غیر اختیاری صورت سے پیش آیا کرتے ہیں اُن کی سطح اور صورت اگرچہ محض اتفاقات کی ہوتی ہے لیکن خالق کائنات کی نظر میں وہ سب کے سب ایک مستحکم نظام کی لگی بندھی کڑیاں ہوتی ہیں اُن میں کوئی چیز بے ربط یا بے موقع نہیں ہوتی۔ جب وُہ پورا نظام سامنے آجائے اُس وقت انسان کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس اتفاقی واقعہ میں کیا کیا حکمتیں مستور تھیں۔

غزوۂ بدر ہی کے واقعہ کو لے لیجئے اس کی اتفاقی اور غیر اختیاری صورت سے ظاہر ہونے میں یہ مصلحت تھی کہ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعَادِ، یعنی اگر عام دنیا کی جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تمام پہلوؤں پر غور و فکر اور باہمی قرار دادوں کے ذریعہ لڑی جاتی تو حالات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جنگ ہوتی ہی نہیں بلکہ اس میں اختلاف پڑ جاتا خواہ اس طرح کہ خود مسلمانوں کی رائے اپنی قلت و کمزوری اور مقابل کی کثرت و قوت کو دیکھ کر مختلف ہو جاتی یا اس طرح کہ دونوں فریق اہل کفر و اہل اسلام مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے۔ مسلمان تو اپنی قلت و کمزوری کو دیکھ کر اقدام کی ہمت نہ کرتے اور کفار پر حق تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب جمایا ہوا تھا وہ کثرت و قوت کے باوجود مقابلہ پر آنے سے گھبراتے۔

اس لئے قدرت کے مستحکم نظام نے دونوں طرف ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملے۔ مکہ والوں کو تو ابو سفیان کے قافلہ کی گھبرائی ہوئی فریاد نے ایک ہولناک صورت میں سامنے آکر بے سوچے سمجھے چلنے پر آمادہ کر دیا۔ مسلمانوں کو اس خیال نے کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی جنگی مسلح لشکر نہیں۔ ایک معمولی تجارتی قافلہ ہے۔ مگر علیم و خبیر کو منظور یہ تھا کہ دونوں میں باقاعدہ جنگ ہو جائے تاکہ اس جنگ کے پیچھے جو نتائج فتح اسلام کے ظہور میں آنے والے ہیں وہ سامنے آجائیں۔ اسی لئے فرمایا وَّلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا یعنی ان حالات کے باوجود جنگ اس لئے ہو کر رہی کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام کرنا ہے اُس کی تکمیل کر دکھائے۔ اور وہ یہ تھا کہ ایک ہزار جوانوں کے مسلح باسامان لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ بے سروسامان فاقہ زدہ مسلمانوں کی ایک ٹولی اور وہ بھی محاذ جنگ کے اعتبار سے بے موقع جب اس پہاڑ سے ٹکراتی ہے تو یہ پہاڑ پاش پاش ہو جاتا ہے اور یہ چھوٹی سی جماعت فتحمند ہوتی ہے، جو کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہے کہ اس جماعت کی پیٹھ پر کوئی بڑی قدرت اور طاقت کام کر رہی تھی جس سے یہ ایک ہزار کا لشکر محروم تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اُس کی تائید اسلام کی وجہ سے اور اس کی محرومی کفر کی وجہ سے تھی۔ جس سے حق و باطل اور کھرے کھوٹے کا پورا امتیاز ہر سمجھدار انسان کے سامنے آگیا۔ اسی لئے آخر آیت میں ارشاد فرمایا۔ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ۔ یعنی واقعہ بدر میں اسلام کی

کی کھلی حقانیت اور کفر و شرک کے باطل و مردود ہونے کو اس لئے کھول دیا گیا کہ آئندہ جو ہلاکت میں پڑے وہ دیکھ بھال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بھال کر رہے۔ اندھیرے اور مغالطہ میں کوئی کام نہ ہو۔

اس آیت کے الفاظ میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیات و زندگی سے مراد اسلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد غلط فہمی کا احتمال اور عذر تو ختم ہو گیا اب جو کفر اختیار کرتا ہے وہ دیکھتی آنکھوں ہلاکت کی طرف جا رہا ہے اور جو اسلام اختیار کرتا ہے وہ دیکھ بھال کر دائمی زندگی اختیار کر رہا ہے۔ پھر فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ خوب سننے والے جاننے والے ہیں کہ سب کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر و ایمان تک اُن کے سامنے ہیں اور ہر ایک کی سزا و جزا بھی۔

تینتالیسویں اور چوالیسویں دونوں آیتوں میں ایک خاص کرشمۂ قدرت کا ذکر ہے جو غزوۂ بدر کے میدان میں اس غرض کے لئے عمل میں لایا گیا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دونوں لشکروں میں سے کوئی بھی میدانِ جنگ چھوڑ کر اس جنگ کو ہی ختم کر ڈالے کیونکہ اس جنگ کے نتیجہ میں مادی حیثیت سے بھی حقانیتِ اسلام کا مظاہرہ کرنا مقدر تھا۔

اور وہ کرشمۂ قدرت یہ تھا کہ لشکرِ کفار اگرچہ واقع میں مسلمانوں سے تین گنا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے مسلمانوں کو اُن کی تعداد بہت کم کر کے دکھلائی۔ تاکہ مسلمانوں میں کمزوری اور اختلاف پیدا نہ ہو جائے۔ اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا آپ نے سب مسلمانوں سے بتلا دیا جس سے اُن کی ہمت بڑھ گئی۔ دوسری مرتبہ عین میدانِ جنگ میں جب کہ دونوں فریق آمنے سامنے کھڑے تھے مسلمانوں کو اُن کی تعداد کم دکھلائی گئی۔ آیت ۴۳ میں خواب کا واقعہ اور ۴۴ میں بیداری کا مذکور ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں اپنا مقابل لشکر ایسا نظر آرہا تھا کہ میں نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ لوگ نوّے آدمیوں کی تعداد میں ہوں گے۔ اُس شخص نے کہا کہ نہیں سَو ہوں گے۔

آخری آیت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی مقابل لشکر کی نظر میں کم کر کے دکھلایا۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تو حقیقت ہی میں کم تھی وہ صحیح تعداد اُن کو دکھلا دی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جتنی تعداد واقعی تھی اُس سے بھی کم کر کے دکھلایا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کی تعداد تو اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی جن کی خوراک ایک اونٹ ہو۔ عرب میں کسی لشکر کی تعداد معلوم کرنے کے لئے اس سے اندازہ قائم کیا جاتا تھا کہ

کتنے جانور ان کی خوراک کے لئے ذبح ہوتے ہیں، ایک اونٹ سو آدمیوں کی خوراک سمجھا جاتا تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میدانِ بدر میں وہاں کے کچھ لوگوں سے قریشِ مکہ کے لشکر کا پتہ چلانے کے لئے پوچھا تھا کہ ان کے لشکر میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں تو آپ کو دس اونٹ روزانہ بتلائے گئے جس سے آپ نے ایک ہزار لشکر کا تخمینہ قائم فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ابوجہل کی نظر میں مسلمان کُل سو آدمی کی تعداد میں دکھلائے گئے۔ یہاں بھی کم کر کے دکھلانے میں یہ حکمت تھی کہ مشرکین کے قلوب پر مسلمانوں کا رعب پہلے ہی نہ چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ بھاگیں۔

فائدہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات معجزہ اور خرقِ عادت کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ غلط ہو جائے۔ جیسا یہاں ہوا۔

اسی لئے اس جگہ دوبارہ فرمایا لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا۔ یعنی یہ کرشمہ قدرت اور آنکھوں کے مشاہدات پر تصرف اس لئے ظاہر کیا گیا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کرنا چاہتے ہیں وہ پورا ہو جائے۔ یعنی مسلمانوں کو قلت و بے سامانی کے باوجود فتح دے کر اسلام کی حقانیت اور تائیدِ غیبی کا اظہار جو اس جنگ سے مقصود تھا وہ پورا کر دکھائے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یعنی آخر کار سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں جو چاہے کرے جو چاہے حکم دے۔ قلت کو کثرت پر قوت کو ضعف پر غلبہ دے دے کم کو زیادہ، زیادہ کو کم کر دے۔ مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے ؎

گر تو خواہی عینِ غم شادی شود — عین بند پائے آزادی شود
چوں تو خواہی آتش آب خوش شود — در تو خواہی آب ہم آتش شود
خاک و باد و آب و آتش بندہ اند — با من و تو مردہ باحق زندہ اند

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا

یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ۔ اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں نہ جھگڑو

فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا اور صبر کرو، بیشک اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ

اور نہ ہو جاؤ اُن جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے، اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر

اے ایمان والو جب تم کو (کفار کی کسی) جماعت سے (جہاد میں) مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو (ان آداب کا لحاظ رکھو ایک یہ کہ) ثابت قدم رہو (بھاگو مت) اور (دوسرے یہ کہ) اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو (کہ ذکر سے قلب میں قوت ہوتی ہے) امید ہے کہ تم (مقابلہ میں) کامیاب ہو (کیونکہ ثباتِ قدم اور ثباتِ قلب جب جمع ہوں تو کامیابی غالب ہے) اور (تیسرے یہ کہ تمام امور متعلقہ حرب میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت (کا لحاظ) کیا کرو (کہ کوئی کارروائی خلاف شرع نہ ہو) اور (چوتھے یہ کہ اپنے امام سے اور باہم بھی) نزاع مت کرو ورنہ (باہمی نا اتفاقی سے) کم ہمت ہو جاؤ گے (کیونکہ قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک کو دوسرے پر وثوق نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (ہوا خیزی سے مراد بدلی ہے کیونکہ دوسروں کو اس نا اتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ امر لازمی ہے) اور (پانچویں یہ کہ اگر کوئی امر ناگواری کا پیش آئے تو اس پر) صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (اور معیت الٰہی موجب نصرت ہے) اور (چھٹے یہ کہ نیت خالص رکھو تفاخر اور نمائش میں) ان (کافر) لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو (اسی واقعہ بدر میں) اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان و سامان) دکھلاتے ہوئے نکلے اور (اس فخر و ریا کے ساتھ یہ بھی نیت تھی کہ) لوگوں کو اللہ کے رستہ (یعنی دین) سے روکتے تھے (کیونکہ مسلمانوں کو زک دینے چلے تھے جس کا اثر عام طبائع پر بھی دین سے بُعد ہوتا) اور اللہ تعالیٰ (ان لوگوں کو پوری سزا دے گا چنانچہ وہ) ان کے اعمال کو (اپنے علم کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

معارف و مسائل

جنگ و جہاد میں کامیابی کے لئے قرآنی ہدایات پہلی دو آیتوں میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو میدانِ جنگ اور مقابلۂ دشمن کے لئے ایک خاص ہدایت نامہ دیا ہے جو اُن کے لئے دنیا میں کامیابی اور

فتمندی کا اور آخرت کی نجات و فلاح کا نسخہ اکسیر ہے اور قرونِ اُولیٰ کی تمام جنگوں میں مسلمانوں کی فوق العادت کامیابیوں اور فتوحات کا راز اسی میں مضمر ہے۔ اور وہ چند چیزیں ہیں۔

اول ثبات۔ یعنی ثابت رہنا اور جمنا۔ جس میں ثباتِ قلب اور ثباتِ قدم دونوں داخل ہیں کیونکہ جب تک کسی شخص کا دل مضبوط اور ثابت نہ ہو اُس کا قدم اور اعضاء ثابت نہیں رہ سکتے اور یہ چیز ایسی ہے جس کو ہر مؤمن و کافر جانتا اور سمجھتا ہے اور دنیا کی ہر قوم اپنی جنگوں میں اس کا اہتمام کرتی ہے۔ کیونکہ اہلِ تجربہ سے مخفی نہیں کہ میدانِ جنگ کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ کامیاب ہتھیار ثبات قلب و قدم ہی ہے دوسرے سارے ہتھیار اس کے بغیر بیکار ہیں۔

دوسرے ذکر اللہ یہ وہ مخصوص اور معنوی ہتھیار ہے جس سے مؤمن کے سوا عام دنیا غافل ہے پوری دنیا جنگ کے لئے بہترین اسلحہ اور نئے سے نیا سامان مہیا کرنے اور فوج کے ثابت قدم رکھنے کی تو پوری تدبیریں کرتی ہے۔ مگر مسلمانوں کے اس روحانی اور معنوی ہتھیار سے بے خبر اور نا آشنا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر میدان میں جہاں مسلمانوں کا مقابلہ ان ہدایات کے مطابق کسی قوم سے ہوا مخالف کی پوری طاقت اور اسلحہ اور سامان کو بیکار کر دیا۔ ذکر اللہ کی اپنی ذاتی اور معنوی برکات تو اپنی جگہ ہیں ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ ثباتِ قدم کا اس سے بہتر کوئی نسخہ بھی نہیں۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد وہ بجلی کی طاقت ہے جو ایک انسان ضعیف کو پہاڑوں سے ٹکرا جانے پر آمادہ کر دیتی ہے اور کیسی ہی مصیبت اور پریشانی ہو اللہ کی یاد سب کو ہوا میں اڑا دیتی ہے اور انسان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھئے کہ جنگ و قتال کا وقت عادۃً ایسا وقت ہوتا ہے کہ اُس میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرتا اپنی فکر پڑی ہوتی ہے۔ اسی لئے جاہلیتِ عرب کے شعراء میدانِ جنگ میں بھی اپنے محبوب کو یاد کرنے پر فخر کیا کرتے ہیں کہ وہ بڑی قوتِ قلب اور محبت کی پختگی کی دلیل ہے ایک جاہلی شاعر نے کہا ہے ؎ ذکرتک والخطی یخطر بیننا۔ یعنی میں نے تجھے اُس وقت بھی یاد کیا جب کہ نیزے ہمارے درمیان لچک رہے تھے۔

قرآن کریم نے اس پُرخطر موقع میں مسلمانوں کو ذکر اللہ کی تلقین فرمائی اور وہ بھی کثیراً کی تاکید کے ساتھ۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ پورے قرآن میں ذکر اللہ کے سوا کسی عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں صَلٰوۃً کَثِیْرًا صِیَامًا کَثِیْرًا کہیں مذکور نہیں۔ سبب یہ ہے کہ ذکر اللہ ایک ایسی آسان عبادت ہے کہ اُس میں نہ کوئی بڑا وقت خرچ ہوتا ہے نہ محنت نہ کسی دوسرے کام میں اس سے رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ اُس پر مزید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ذکر اللہ کے لئے

کوئی شرط اور پابندی، وضو، طہارت، لباس اور قبلہ وغیرہ کی بھی نہیں لگائی ہر شخص ہر حال میں باوضو، بے وضو، کھڑے، بیٹھے، لیٹے کر سکتا ہے اور اُس پر اگر امام جزری کی اس تحقیق کا اضافہ کر لیا جائے جو انھوں نے حصن حصین میں لکھی ہے کہ ذکر اللہ صرف زبان یا دل سے ذکر کرنے ہی کو نہیں کہتے بلکہ ہر جائز کام جو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں رہ کر کیا جائے وہ بھی ذکر اللہ ہے۔ تو اس تحقیق پر ذکر اللہ کا مفہوم اس قدر عام اور آسان ہو جاتا ہے کہ سوتے ہوئے بھی انسان کو ذاکر کہہ سکتے ہیں۔ جیسے بعض روایات میں ہے نوم العالم عبادۃ یعنی عالم کی نیند بھی عبادت میں داخل ہے کیونکہ عالم جو اپنے علم کے مقتضیٰ پر عمل کرتا ہو اُس کے لئے یہ لازم ہے کہ اُس کا سونا اور جاگنا سب اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے دائرہ میں ہو۔

میدانِ جنگ میں ذکر اللہ کی کثرت کا حکم اگرچہ بظاہر مجاہدین کے لئے ایک کام کا اضافہ نظر آتا ہے جو عادۃً مشقت و محنت کو چاہتا ہے۔ لیکن ذکر اللہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ وہ محنت نہیں لیتا بلکہ ایک فرحت و قوت اور لذت بخشتا ہے اور انسان کے کام میں اور معین و مددگار بنتا ہے۔ یوں بھی محنت و مشقت کے کام کرنے والوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی کلمہ یا گیت گنگنایا کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو اُس کا نعم البدل دے دیا جو ہزاروں فوائد اور حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی لئے آخر آیت میں فرمایا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی اگر تم نے ثبات اور ذکر اللہ کے دو گُر یاد کر لئے اور ان کو میدانِ جنگ میں استعمال کیا تو فلاح و کامیابی تمھاری ہے۔

میدانِ جنگ کا ذکر ایک تو وہ ہے جو عام طور پر نعرۂ تکبیر کے انداز میں کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ پر نظر اور اعتماد و توکل اور دل سے اُس کی یاد۔ لفظ ذکر اللہ ان سب کو شامل ہے۔

چھیالیسویں آیت میں ایک تیسری چیز کی تلقین اور کی گئی وہ ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی امداد و نصرت اُس کی اطاعت ہی کے ذریعہ حاصل کی جا سکتی ہے معصیت اور نافرمانی تو اللہ کی ناراضی اور ہر فضل سے محرومی کے اسباب ہوتے ہیں۔ اس طرح میدانِ جنگ کے لئے قرآنی ہدایت نامہ کی تین دفعات ہو گئیں ثبات، ذکر اللہ، اطاعت۔ اس کے بعد فرمایا وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا۔ اس میں مضر پہلوؤں پر تنبیہ کر کے اُن سے بچنے کی ہدایت ہے۔ اور وہ مضر پہلو جو جنگ کی کامیابی میں مانع ہوتا ہے باہمی نزاع و اختلاف ہے۔ اس لئے فرمایا وَلَا تَنَازَعُوْا۔ یعنی آپس میں نزاع اور کشاکش نہ کرو۔ ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہو جاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے باہمی کشاکش

اور نزاع سے دوسروں کی نظر میں حقیر ہو جانا تو بدیہی امر ہے لیکن خود اپنی قوت پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے کہ اُس میں کمزوری اور بزدلی آجائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باہمی اتحاد و اعتماد کی صورت میں ہر ایک انسان کے ساتھ پوری جماعت کی طاقت لگی ہوئی ہوتی ہے اس لئے ایک آدمی اپنے اندر بقدر اپنی جماعت کے قوت محسوس کرتا ہے اور جب باہمی اتحاد و اعتماد نہ رہا تو اس کی اکیلی قوت رہ گئی وہ ظاہر ہے جنگ و قتال کے میدان میں کوئی چیز نہیں۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا وَاصْبِرُوْا یعنی صبر کو لازم پکڑو۔ سیاقِ کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو مگر افرادِ انسانی کی طبعی خصوصیات ضرور مختلف ہوا کرتی ہیں، نیز کسی مقصد کے لئے سعی و کوشش میں اہل عقل و تجربہ کی رایوں کا اختلاف بھی ناگزیر ہے۔ اس لئے دوسروں کے ساتھ چلنے اور اُن کو ساتھ رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اُس کو قبول نہ کیا جائے تو لڑ بیٹھے۔ اسی صفت کا دوسرا نام صَبر ہے۔ آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بُری چیز ہے مگر اُس سے بچنے کا جو گُر ہے کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے۔ یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے اسی لئے اتحاد و اتفاق کے سارے وعظ و پند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آدمی کو دوسرے سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی مگر خود دوسرے کی بات مان لینا اور اگر اُس کی عقل و دیانت کا تقاضا یہی ہے کہ اُس کو نہ مانے تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لئے سکوت کر لینا تو بہرحال اختیار میں ہے اس لئے قرآن کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فرد جماعت کو کر دی تاکہ نزاع سے بچنا عمل دنیا میں آسان ہو جائے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ قرآنِ کریم نے اس جگہ لَا تَنَازَعُوْا فرمایا ہے یعنی باہمی کشاکش کو روکا ہے رائے کے اختلاف یا اُس کے اظہار سے منع نہیں کیا۔ اختلاف رائے جو دیانت اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ کبھی نزاع کی صورت اختیار نہیں کیا کرتا۔ نزاع و جدال وہیں ہوتا ہے جہاں اختلاف رائے کے ساتھ اپنی بات منوانے اور دوسرے کی بات نہ ماننے کا جذبہ کام کر رہا ہو۔ اور یہی وہ جذبہ ہے جس کو قرآن کریم نے وَاصْبِرُوْا کے لفظ سے ختم کیا ہے اور آخر میں صبر کرنے کا ایک عظیم الشان فائدہ بتلا کر صبر کی تلخی کو دور فرما دیا۔ ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ یعنی صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہر وقت ہر حال میں ان کا رفیق ہوتا ہے اور یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ دونوں جہان کی ساری دولتیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض غزوات میں انھیں ہدایات کو مستحضر کرانے کے لئے عین میدانِ جنگ میں یہ خطبہ دیا "اے لوگو دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو اور جب ناگزیر طور پر مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر صبر و ثبات کو لازم پکڑو اور یہ سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے"۔ (مسلم)

سینتالیسویں آیت میں ایک اور مضر پہلو پر تنبیہ اور اُس سے پرہیز کی ہدایت دی گئی ہے وہ ہے اپنی قوت و کثرت پر ناز یا کام میں اخلاص کے بجائے اپنی کوئی اور غرض مضر ہونا کیونکہ یہ دونوں چیزیں بھی بڑی بڑی طاقتور جماعتوں کو پسپا اور زیر کر دیا کرتی ہیں۔

اس آیت میں اشارہ قریش مکہ کے حالات کی طرف بھی ہے جو اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے بھاری تعداد اور سامان لے کر اپنی قوت و کثرت پر اتراتے ہوئے نکلے تھے۔ اور جب تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے باہر ہو گیا اُس وقت بھی اس لئے واپس نہیں ہوئے کہ اپنی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کرنا تھا۔

مستند روایات میں ہے کہ جب ابو سفیان اپنا تجارتی قافلہ لے کر مسلمانوں کی زد سے بچ نکلے تو ابو جہل کے پاس قاصد بھیجا کہ اب تمہارے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں رہی واپس آجاؤ اور بھی بہت سے قریش سرداروں کی یہی رائے تھی۔ مگر ابو جہل اپنے کبر و غرور اور شہرت پرستی کے جذبہ میں قسم کھا بیٹھا کہ ہم اس وقت تک واپس نہ ہوں گے جب تک چند روز مقام بدر پر پہنچ کر اپنی فتح کا جشن نہ منالیں۔

جس کے نتیجہ میں وہ اور اُس کے بڑے بڑے ساتھی سب وہیں ڈھیر ہوئے اور ایک گڑھے میں ڈالے گئے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے طریقہ کار سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ

اور جس وقت خوشنما کر دیا شیطان نے اُن کی نظروں میں اُن کے عملوں کو اور بولا کہ کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر

الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ

آج کے دن لوگوں میں سے اور میں تمہارا حامی ہوں، پھر جب سامنے ہوئیں دونوں فوجیں

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا

تو وہ اُلٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم

تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸ اِذْ يَقُوْلُ ع ۶

نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے، اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ جب کہنے لگے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ

منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں اپنے دین پر،

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹

اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

خلاصۂ تفسیر

اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جب کہ شیطان نے ان (کفار) کو (بذریعہ وسوسہ) ان کے اعمال (کفریہ عداوت و مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خوشنما کر کے دکھلائے (کہ انہوں نے ان باتوں کو اچھا سمجھا) اور (وسوسہ سے بڑھ کر یہ کیا کہ بالمشافہ ان سے) کہا کہ (تم کو وہ قوت و شوکت ہے کہ تمہارے مخالف) لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں (نہ بیرونی دشمنوں سے ڈرو اور نہ اندرونی دشمنوں سے اندیشہ کرو) پھر جب دونوں جماعتیں (کفار و مسلمین کی) ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں (اور اس نے ملائکہ کا نزول دیکھا) تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں (میں حامی وامی کچھ نہیں بنتا کیونکہ) میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں (مراد فرشتے ہیں) میں تو خدا سے ڈرتا ہوں (کہیں کسی فرشتہ سے دنیا ہی میں میری خبر لوا دے) اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں۔ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب منافقین (مدینہ والوں میں سے) اور جن کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی (مکہ والوں میں سے مسلمانوں کا بے سروسامانی کے ساتھ مقابلۂ کفار میں آجانا دیکھ کر) یوں کہتے تھے کہ ان (مسلمان) لوگوں کو ان کے دین نے بھول میں ڈال رکھا ہے (کہ اپنے دین کے حق ہونے کے بھروسے ایسے خطرہ میں آپڑے۔ اللہ جواب دیتے ہیں) اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اکثر غالب ہی آتا ہے کیونکہ) بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اس لئے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والے کو غالب کر دیتے ہیں اور احیاناً ایسا شخص مغلوب ہو جائے تو اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے کیونکہ) وہ حکمت والے (بھی) ہیں (غرض ظاہری سامان و بے سامانی پر مدار نہیں قادر کوئی اور ہی ہے)۔

معارف و مسائل

سورۂ انفال میں شروع سے غزوۂ بدر میں پیش آنے والے واقعات اور حالات کا اور اُن سے حاصل ہونے والی نصائح اور عبرتوں کا اور متعلقہ احکام کا بیان چل رہا ہے۔

اسی میں ایک واقعہ قریشِ مکہ کو شیطان کے فریب دے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر اُبھارنے اور پھر عین میدانِ جنگ میں ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جانے کا ہے جو آیاتِ مذکورہ کے شروع میں مذکور ہے۔

شیطان کا یہ فریب قریش کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی صورت سے تھا یا انسانی شکل میں آکر روبرو گفتگو سے۔ اس میں دونوں احتمال ہیں مگر الفاظ قرآن سے زیادہ تر تائید دوسری ہی صورت کی ہوتی ہے کہ بشکلِ انسانی سامنے آکر فریب دیا۔

امام ابن جریرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جب قریش مکہ کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ سے نکلا تو ان کے دلوں پر ایک خطرہ اس کا سوار تھا کہ ہمارے قریب میں قبیلہ بنو بکر بھی ہمارا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم مسلمانوں کے مقابلہ پر جائیں اور یہ دشمن قبیلہ موقع پا کر ہمارے گھروں اور عورتوں، بچوں پر چھاپہ مار دے۔ امیر قافلہ ابوسفیان کی گھبرائی ہوئی فریاد پر طیار ہو کر نکل تو کھڑے ہوئے مگر یہ خطرہ ان کے لئے زنجیرِ پا بنا ہوا تھا کہ اچانک شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں اس طرح سامنے آیا کہ اُس کے ہاتھ میں جھنڈا اور اُس کے ساتھ ایک دستہ بہادر فوج کا ہے۔ سراقہ بن مالک اُس علاقہ اور قبیلہ کا بڑا سردار تھا جن سے حملہ کا خطرہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر قریشی جوانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور دو طرح سے فریب میں مبتلا کیا۔ اول یہ کہ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ یعنی آج تمام لوگوں میں تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے تمہارے مقابل فریق کی قوت کا بھی اندازہ ہے اور تمہاری قوت و کثرت کو بھی دیکھ رہا ہوں اس لئے تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم بے فکر ہو کر آگے بڑھو تمہیں غالب رہو گے کوئی تمہارے مقابلہ پر غالب آنے والا نہیں۔

دوسرے یہ کہ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ یعنی تمہیں جو بنی بکر وغیرہ سے خطرہ لگا ہوا ہے کہ وہ تمہارے پیچھے مکہ پر چڑھ دوڑیں گے۔ اس کی میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسا نہ ہوگا میں تمہارا حامی ہوں۔ قریشِ مکہ سراقہ بن مالک اور اُس کی بڑی شخصیت اور اثر و رسوخ سے پہلے سے واقف تھے اُس کی بات سُن کر ان کے دل جم گئے اور قبیلہ بنی بکر کے خطرہ سے بے فکر ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اس دوگونہ فریب سے شیطان نے ان لوگوں کو اپنے مقتل کی طرف ہانک دیا فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ۔ جب مشرکینِ مکہ اور مسلمانوں کی دونوں جماعتیں (مقام بدر میں) آمنے سامنے ہوئیں تو شیطان پچھلے پاؤں لوٹ گیا۔

غزوۂ بدر میں چونکہ مشرکین مکہ کی پیٹھ پر ایک شیطانی لشکر بھی آگیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ

نے اُن کے مقابلہ میں فرشتوں کا لشکر جبرئیل و میکائیل کی قیادت میں بھیج دیا۔ امام ابن جریر وغیرہ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ شیطان نے جو اُس وقت بشکل انسانی سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنے شیطانی لشکر کی قیادت کر رہا تھا، جب جبریلِ امین اور اُن کے ساتھ فرشتوں کا لشکر دیکھا تو گھبرا اُٹھا اُس وقت اُس کا ہاتھ ایک قریشی جوان حارث بن ہشام کے ہاتھ میں تھا فوراً اس سے اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگنا چاہا۔ حارث نے ٹوکا کہ یہ کیا کرتے ہو تو اُس کے سینہ پر مار کر حارث کو گرا دیا۔ اور اپنے شیطانی لشکر کو لے کر بھاگ پڑا۔ حارث نے اُس کو سراقہ سمجھتے ہوئے کہا کہ اے عرب کے سردار سراقہ تو نے تو یہ کہا تھا کہ میں تمہارا حامی اور مددگار ہوں اور عین میدانِ جنگ میں یہ حرکت کر رہے ہو۔ تو شیطان نے بشکل سراقہ جواب دیا۔ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ۔ یعنی میں تمہارے معاہدہ سے بری ہوتا ہوں کیونکہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہاری آنکھیں نہیں دیکھتیں مراد فرشتوں کا لشکر تھا۔ اور یہ کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس لئے تمہارا ساتھ چھوڑتا ہوں۔

شیطان نے فرشتوں کا لشکر دیکھا تو اُن کی قوت سے وہ واقف تھا سمجھ گیا کہ اب اپنی خیر نہیں اور یہ جو کہا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ امام تفسیر قتادہ نے کہا کہ یہ اس نے جھوٹ بولا اگر وہ خدا سے ڈرا کرتا تو نافرمانی کیوں کرتا۔ مگر اکثر حضرات نے فرمایا کہ ڈرنا بھی اپنی جگہ صحیح ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور عذاب شدید کو پوری طرح جانتا ہے اس لئے نہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں البتہ بڑا خوف بغیر ایمان و اطاعت کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔

ابوجہل نے جب سراقہ اور اُس کے لشکر کی پسپائی سے اپنے لشکر کی ہمت کو ٹوٹتے دیکھا تو بات بنائی اور کہا کہ سراقہ کے بھاگ جانے سے تم متأثر نہ ہو اس نے تو خفیہ طور پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سازش کر رکھی تھی۔ شیطان کی پسپائی کے بعد ان کا جو حشر ہونا تھا ہو گیا۔ پھر جب یہ لوگ مکہ واپس آئے اور ان میں سے کسی کی ملاقات سراقہ بن مالک کے ساتھ ہوئی تو اُس نے سراقہ کو ملامت کی کہ جنگِ بدر میں ہماری شکست اور سارے نقصان کی ذمہ داری تجھ پر ہے تو نے عین میدانِ جنگ میں پسپا ہو کر ہمارے جوانوں کی ہمت توڑ دی۔ اس نے کہا کہ میں نہ تمہارے ساتھ گیا نہ تمہارے کسی کام میں شریک ہوا۔ میں نے تو تمہاری شکست کی خبر بھی تمہارے مکہ پہنچنے کے بعد سنی۔

یہ سب روایات امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ شیطان لعین کی یہ عام عادت ہے کہ انسان کو بُرائی میں مبتلا کر کے عین موقع پر الگ ہو جاتا ہے قرآن کریم نے اس کی یہ عادت بار بار بیان فرمائی ہے، ایک آیت میں ہے كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ

اَلْكُفْرُ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

شیطانی دجل و فریب اور اس سے بچنے کا طریقہ

آیتِ متذکرہ کے اس واقعہ سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

اوّل یہ کہ شیطان انسان کا دشمن ہے اُس کو نقصان پہنچانے کے لئے طرح طرح کے حیلے کرتا اور بہروپ بدلتا ہے۔ بعض اوقات محض دل میں وسوسہ ڈال کر پریشان کرتا ہے اور بعض اوقات سامنے آکر دھوکا دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت دی ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ ایک مشہور حنفی فقیہ کی کتاب آکام المرجان فی احکام الجان میں اس کو بوضاحت ثابت کیا گیا ہے۔ اسی لئے محققین صوفیائے کرام جو اصحابِ کشف و شہود ہیں اُنھوں نے لوگوں کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کو دیکھ کر یا اس کا کلام سن کر بغیر تحقیقِ حال کے اس کے پیچھے چلنا بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ کشف و الہام میں بھی شیطانی تلبیسات ہو سکتی ہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ست　　پس بہر دستے نشاید داد دست

اور حافظ نے فرمایا ؎

در راہِ عشق وسوسہ اہرمن بسے ست　　ہشدار و گوش را بہ پیامِ سروش دار

پیامِ سروش سے مراد وحیِ الٰہی ہے۔

کامیابی کے لئے صرف اخلاصِ نیت ہی کافی نہیں اس سے پہلے راستہ سیدھا ہونا ضروری ہے۔

تیسرے یہ کہ جو لوگ کفر و شرک یا دوسرے ناجائز اعمال میں مبتلا ہوتے ہیں اُس کا بیشتر سبب یہی ہوتا ہے کہ شیطان ان کے اعمالِ بد کو خوبصورت مستحسن اور نفع بخش ظاہر کر کے ان کے دل و دماغ کو حق و صدق اور صحیح نتائج کی طرف سے پھیر دیتا ہے وہ اپنے باطل ہی کو حق اور بُرے کو بھلا سمجھنے لگتے ہیں اور اہلِ حق کی طرح اپنے باطل پر جان دینے کے لئے طیار ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے قریشی لشکر اور اس کے سردار جب بیت اللہ سے رخصت ہو رہے تھے تو بیت اللہ کے سامنے ان الفاظ سے دُعا کر کے چلے تھے کہ اللّٰھم انصر اھدی الطائفتین یعنی اے اللہ ہم دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے اس کی مدد فرمایئے اور فتح دیجئے۔ یہ بےخبر لوگ شیطانی فریب میں آکر اپنے آپ ہی کو زیادہ ہدایت پر اور حق بجانب سمجھتے تھے۔ اور پورے اخلاص کے ساتھ اپنے باطل کی حمایت و نصرت میں جان مال قربان کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ نِرا اخلاص کافی نہیں جب تک کہ عمل کا رُخ درست نہ ہو۔

اس کے بعد کی دوسری آیت میں منافقینِ مدینہ اور مشرکینِ مکہ کا ایک مشترک مقولہ مسلمانوں

کے بارہ میں یہ نقل کیا جو گویا ان پر ترس کھا کر کہا گیا ہے کہ غَرَّ هٰٓؤُلَاۤءِ دِیْنُهُمْ۔ یعنی میدانِ بدر میں یہ مٹھی بھر مسلمان اتنے بھاری اور قوی لشکر سے ٹکرانے آگئے ان بےچاروں کو ان کے دین نے فریب میں ڈال کر موت کے مُنہ میں دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ یعنی جو شخص اللہ پر توکل اور بھروسہ کر لیتا ہے تو یاد رکھو کہ وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس کی حکمت کے سامنے سب کی عقل و دانش رکھی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگ صرف مادہ اور مادیات کو جاننے والے اور اُسی پر بھروسہ کرنے والے ہو تمہیں اُس مخفی طاقت کی خبر نہیں جو اس مادہ اور مادیات کے پیدا کرنے والے کے خزانوں میں ہے اور جو اُن لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اعتماد رکھتے ہیں۔

آج بھی دیندار بھولے بھالے مسلمانوں کو دیکھ کر بہت سے عقل و دانش کے مدعی یوں ہی کہا کرتے ہیں کہ ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو

لیکن اگر ان میں اللہ پر ایمان اور اعتماد پورا ہو تو اُنھیں اس سے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں اُن کے منہ پر

وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (۵۰) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

اور ان کے پیچھے، اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔ یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا

اَیْدِیْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (۵۱) كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ

اپنے ہاتھوں اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔ جیسے دستور فرعون والوں کا

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ

اور جو ان سے پہلے تھے، کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا اُن کو اللہ نے ان کے گناہوں پر،

اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۵۲) ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا

بیشک اللہ زور آور ہے سخت عذاب کرنے والا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز بدلنے والا نہیں

نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۵۳)

اس نعمت کو جو دی تھی اس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے جیوں کی بات اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

خلاصۂ تفسیر

اور اگر آپ (اس وقت کا واقعہ) دیکھیں (تو عجیب واقعہ نظر آئے) جب کہ فرشتے ان (موجودہ) کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں (اور) ان کے منہ پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ (ابھی کیا ہے آگے چل کر) آگ کی سزا جھیلنا (اور) یہ عذاب ان اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں (سو اللہ تعالیٰ نے بے جرم سزا نہیں دی پس) ان کی حالت (اس بارہ میں کہ کفر پر سزایاب ہوئے) ایسی ہے جیسی فرعون والوں کی اور ان سے پہلے (کافر) لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیاتِ الٰہیہ کا انکار کیا سو خدا تعالیٰ نے ان کے (ان) گناہوں پر ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں (کہ ان کے مقابلہ میں کوئی ایسی قوت نہیں کہ ان کے عذاب کو ہٹا سکے اور) یہ بات (کہ بلاجرم ہم سزا نہیں دیتے) اس سبب سے ہے (کہ ہمارا ایک قاعدہ کلیہ مقرر ہے اور بلاجرم سزا نہ دینا اسی قاعدہ کی ایک فرع ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں (پس وہ تغیر قول کو سنتے ہیں تغیر فعلی کو جانتے ہیں۔ سو ان کفار موجودین نے اپنی یہ حالت بدلی کہ ان میں باوجود کفر کے اول ایمان لانے کی استعداد قریب تھی انکار و مخالفت کر کر کے اس کو بعید کر ڈالا پس ہم نے اپنی نعمت امہال کو جو پہلے سے ان کو حاصل تھی مبدل بدار و دگیر کر دیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے بطریق مذکور نعمت قرب استعداد کو بدل ڈالا)۔

معارف و مسائل

مذکورہ آیات میں سے پہلی دو آیتوں میں موت کے وقت کافروں کے عذاب اور فرشتوں کی تنبیہات کا ذکر ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ اگر آپ ان کافروں کا حال اُس وقت دیکھتے جبکہ اللہ کے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے وقت ان کے چہروں اور پشتوں پر مار رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ آگ میں جلنے کا عذاب چکھو۔ تو آپ ایک بڑا ہیبتناک منظر دیکھتے۔

ائمۂ تفسیر میں سے بعض حضرات نے اس کو اُن کفارِ قریش کے متعلق قرار دیا ہے جو میدانِ بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ پر آئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتوں کا لشکر

بھیج دیا تھا اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوگئے کہ میدانِ بدر میں جو قریشی سردار مارے گئے اُن کے مارنے میں فرشتوں کا ہاتھ تھا جو اُن کے سامنے سے چہروں پر اور پیچھے سے اُن کی پشتوں پر مار کر اُن کو ہلاک کر رہے تھے اور ساتھ ہی آخرت میں جہنم کے عذاب کی خبر سنا رہے تھے۔

اور جن حضرات نے الفاظِ آیت کے عموم کی بنا پر اس کا مضمون عام رکھا ہے اُن کے مطابق معنی آیت کے یہ ہیں کہ جب کوئی کافر مرتا ہے فرشتۂ موت اُن کی روح قبض کرنے کے وقت اُن کے چہرہ اور پشت پر مارتا ہے بعض روایات میں ہے کہ آگ کے کوڑے اور لوہے کے گُرز اُن کے ہاتھ میں ہوتے ہیں جن سے وہ مرنے والے کافر کو مارتے ہیں۔ مگر چونکہ اس عذاب کا تعلق اس عالم سے نہیں بلکہ عالم قبر سے ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے اس لئے یہ عذاب عام طور پر آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا۔

اسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب کیا گیا کہ اگر آپ دیکھتے تو بڑا عبرتناک منظر دیکھتے اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد عالم برزخ میں کفار کو عذاب ہوتا ہے مگر اُس کا تعلق عالم غیب سے ہے اس لئے عام طور پر دیکھا نہیں جاتا۔ عذاب قبر کا ذکر قرآن مجید کی دوسری آیات میں بھی آیا ہے اور روایاتِ حدیث تو اس معاملہ میں بے شمار ہیں۔

دوسری آیت میں کفار کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ یہ عذاب دنیا و آخرت تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے چونکہ عام کاروبار ہاتھوں ہی سے وجود میں آتے ہیں اس لئے ہاتھوں کا ذکر کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں کہ بلاوجہ کسی کو عذاب میں مبتلا کر دیں۔

تیسری آیت میں بتلایا گیا کہ ان مجرموں پر اللہ تعالیٰ کا یہ عذاب کوئی انوکھی چیز نہیں بلکہ عادۃ اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اُن کو عقل و فہم دیتے ہیں۔ گرد و پیش میں اُن کے لئے بیشمار ایسی چیزیں موجود ہوتی ہیں جن میں غور و فکر کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و عظمت کو پہچانیں اور عاجز مخلوق کو اُس کا شریک نہ بنائیں پھر مزید تنبیہ کے لئے اپنی کتابیں اور رسول بھیجتے ہیں۔ اللہ کے رسول اُن کے افہام و تفہیم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے وہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی قوتِ قاہرہ کے مظاہر بھی بشکل معجزات دکھلاتے ہیں۔ جب کوئی فرد یا قوم ان سب چیزوں سے بالکل آنکھیں بند کر لے اور خدائی تنبیہات میں سے کسی پر کان نہ دھرے تو پھر عادت اللہ تعالیٰ کی ایسی لوگوں کے بارہ میں یہی ہے کہ دنیا میں بھی اُن پر عذاب آتا ہے اور آخرت کے دائمی عذاب میں بھی گرفتار ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ دأب کے معنی عادت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جیسے اٰلِ فِرْعَوْنَ اور اُن سے پہلے کافروں

سرکشوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی عادت دنیا کو معلوم ہو چکی ہے کہ فرعون کو اس کے سارے حشم وخدم سمیت دریا میں غرق کر دیا اور اُن سے پہلے عاد وثمود کی قوموں کو مختلف قسم کے عذابوں سے ہلاک کر دیا۔

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ۔ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور نشانیوں کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے عذاب میں پکڑ لیا۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوی ہے کوئی قوت وشجاعت والا اپنی قوت کے بل پر اُس کے عذاب سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔

چوتھی آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے انعام وعطاء کے قائم اور باقی رکھنے کا ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں اُس کو اُس وقت تک بدلتے نہیں جب تک یہ لوگ خود ہی اپنے حالات اور اعمال کو نہ بدل دیں۔

یہاں پہلی بات قابلِ غور یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عطاء نعمت کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بیان فرمایا، نہ اُس کے لئے کوئی قید وشرط لگائی نہ اُس کو کسی کے اچھے عمل پر موقوف رکھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلی نعمت جو خود ہمارا وجود ہے اور اُس میں قدرت حق جل شانہٗ کی عجیب صنعت گری سے ہزاروں حیرت انگیز نعمتیں ودیعت رکھی گئی ہیں یہ نعمتیں ظاہر ہے کہ اُس وقت عطا ہوئیں جب کہ نہ ہم تھے نہ ہمارا کوئی عمل تھا ؎

ما نبودیم وتقاضا ما نبود لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

اگر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات بندوں کے نیک اعمال کے منتظر رہا کرتے تو ہمارا وجود ہی قائم نہ ہوتا۔

حق تعالیٰ کی نعمت ورحمت تو اُس کے رب العالمین اور رحمٰن ورحیم ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے۔ ہاں اس نعمت ورحمت کے قائم اور باقی رہنے کا ایک ضابطہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں اُس سے اُس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دے۔

حالات کے بدلنے سے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال اور حالات کو بدل کر بُرے اعمال اور بُرے حالات اختیار کر لے یا یہ کہ اللہ کی نعمتیں مبذول ہونے کے وقت جن اعمالِ بد اور گناہوں میں مبتلا تھا نعمتوں کے ملنے کے بعد اُن سے زیادہ بُرے اعمال میں مبتلا ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن قوموں کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے یعنی کفار قریش اور آل فرعون ان کا تعلق اس آیت سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے

وقت بھی کچھ اچھے حالات میں نہیں تھے سب کے سب مشرک اور کافر ہی تھے۔ لیکن انعامات کے بعد یہ لوگ اپنی بدعملیوں اور شرارتوں میں پہلے سے زیادہ تیز ہو گئے۔

آل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم کرنے شروع کر دیئے، پھر حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مقابلہ اور مخالفت پر آمادہ ہو گئے جو ان کے پچھلے جرائم میں ایک شدید اضافہ تھا جس کے ذریعہ انھوں نے اپنے حالات مزید برائی کی طرف بدل ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو نقمت اور عذاب سے بدل دیا۔ اسی طرح قریشِ مکہ اگرچہ مشرک اور بدعمل تھے لیکن اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال صلۂ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت، بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دین ودنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے۔ دنیا میں اُن کی تجارتوں کو فروغ دیا۔ اور ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گزر سکتا تھا ان لوگوں کے تجارتی قافلے ملک شام ویمن میں جاتے اور کامیاب آتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم نے سورہ لایلٰف میں رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ کے عنوان سے کیا ہے۔

اور دین کے اعتبار سے وہ عظیم نعمت ان کو عطا ہوئی جو پچھلی کسی قوم کو نہیں ملی تھی کہ سید الانبیاء، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ کی آخری اور جامع کتاب قرآن ان میں بھیجی گئی۔

مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی شکرگزاری اور قدر کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ گندے کر دیئے کہ صلہ رحمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو جانے والے بھائی بھتیجوں پر وحشیانہ مظالم کرنے لگے۔ مہمان نوازی کے بجائے ان مسلمانوں پر آب ودانہ بند کرنے کے عہدنامے لکھے گئے۔ حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے لگے۔ یہ وہ حالات تھے جن کو کفارِ قریش نے بدلا۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو نقمتوں اور عذاب کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوئے اور جو ذات رحمۃ للعٰلمین بن کر آئی تھی اُسی کے ذریعہ انھوں نے اپنی موت وہلاکت کو دعوت دے دی۔

اور تفسیر مظہری میں معتمد کتب تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلاب بن مرہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں تیسرے دادا کے دادا ہیں یہ ابتداء سے دین ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کے پابند اور اُس پر قائم تھے اور نسلاً بعد نسل اس دین کی قیادت وسیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔ قصی بن کلاب کے زمانہ میں ان لوگوں میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے کعب بن لوی ان کے دینی قائد تھے جمعہ کے روز جس کو ان کی زبان میں عروبہ کہا جاتا تھا سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے اور بتلایا

کرتے تھے کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں گے۔ اُن کا اتباع سب پر لازم ہوگا۔ جو اُن پر ایمان نہ لائے گا اُس کا کوئی عمل قابلِ قبول نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں اُن کے عربی اشعار شعراءِ جاہلیت میں مشہور و معروف ہیں۔ اور قصی بن کلاب تمام حجاج کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں آپ کے عہدِ مبارک تک قائم رہیں۔ اس تاریخی تشریح سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قریش کی تبدیلی حالات سے یہ مراد ہو کہ دینِ ابراہیمی کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرلی۔

بہرحال مضمونِ آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات حق تعالیٰ اپنی نعمت بعض ایسے لوگوں کو بھی عطا فرماتے ہیں جو اپنے عمل سے اُس کے مستحق نہیں ہوتے لیکن عطاءِ نعمت کے بعد اگر وہ اپنے اعمال کا رخ اصلاح و درستی کی طرف پھیرنے کے بجائے اعمالِ بد میں اور زیادتی کرنے لگیں تو پھر یہ نعمت اُن سے چھین لی جاتی ہے اور وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہر گفتگو کو سننے والے اور اُن کے تمام اعمال و افعال کو جاننے والے ہیں اس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کا امکان نہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے، کہ انھوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی
فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا
پھر ہلاک کر دیا ہم نے ان کو اُن کے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے فرعون والوں کو، اور سارے
ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا
ظالم تھے۔ بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں
يُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ
ایمان لاتے۔ جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد
كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ
ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔ سو اگر کبھی تو پائے اُن کو لڑائی میں تو اُن کو ایسی سزا
بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ
دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے تاکہ ان کو عبرت ہو۔ اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے
خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝
دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر، بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز۔

ع ۱۰ ۳

خلاصۂ تفسیر

(پس اس امرِ تغییر میں بھی) ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کو ان کے (ان) گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور (ان میں) فرعون والوں کو خاص طور پر ہلاک کیا کہ (ان کو) غرق کر دیا اور وہ (فرعون والے اور پہلے والے) سب ظالم تھے بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں (جب یہ علمِ الٰہی میں ایسے ہیں) تو یہ ایمان نہ لائیں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے (کئی بار) عہد لے چکے ہیں (مگر) پھر (بھی) وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ (عہد شکنی سے) ڈرتے نہیں سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پائیں (اور یہ آپ کے ہاتھ آئیں) تو ان پر حملہ کر کے (اُس) کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں (کہ نقضِ عہد کا یہ وبال ہوا ہم ایسا نہ کریں۔ یہ حکم تو اس وقت ہے کہ جب ان لوگوں نے عہد علانیہ توڑ دیا ہو) اور اگر (ابھی تک علانیہ تو نہیں توڑا لیکن) آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو (اجازت ہے کہ) آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے (یعنی اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کر دیجئے) کہ آپ اور وہ (اس اطلاع میں) برابر ہو جائیں (اور بدون ایسی صاف اطلاع کے لڑنا خیانت ہے اور) بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

معارف و مسائل

آیاتِ مذکورہ میں سے پہلی آیت کا مضمون بلکہ الفاظ تقریباً وہی ہیں جو ایک آیت پہلے آچکے ہیں كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ مگر مقصد بیان دونوں میں جدا جدا ہے پہلی آیت میں اس کا بیان مقصود تھا کہ ان لوگوں کا کفر ان کے عذاب کا سبب بنا اور اس آیت میں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں مبذول ہوں اور وہ ان کی قدر نہ پہچانے اور اللہ کے سامنے نہ جھکے تو اُس کی نعمتیں نقمتوں اور مصیبتوں سے بدل دی جاتی ہیں۔ قوم فرعون اور اُن سے پہلی اقوام نے بھی جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی تو اُن سے نعمتیں چھین لی گئیں اور نعمتوں کے بجائے عذاب میں پکڑ لئے گئے۔ کچھ الفاظ میں بھی کہیں کہیں فرق کر کے خاص خاص اشارے فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً پہلی آیت میں كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ کے الفاظ تھے اور یہاں بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ کا لفظ ہے لفظ اللہ کے بجائے صفت رَبّ ذکر کر کے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ لوگ بڑے ہی ظالم ناحق شناس تھے کہ جو ذات ان کی رَبّ ہے ان کے

ابتداء وجود سے لے کر موجودہ حالات تک اُس کی نعمتوں ہی میں ان کی پرورش ہوئی ہے اُسی کی نشانیوں کو جھٹلانے لگے۔

نیز پہلی آیت فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ فرمایا تھا یہاں فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ارشاد فرمایا۔ اس میں اس اجمال کی تفصیل وتشریح ہوگئی کیونکہ پہلی آیت میں ان کا عذاب میں پکڑا جانا ذکر کیا گیا جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ زندہ اور باقی رہتے ہوئے مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیں یا سرے سے ان کا وجود ہی ختم کر دیا جائے۔ اس آیت میں اَهْلَكْنٰهُمْ فرما کر واضح کر دیا کہ ان سب قوموں کی سزا سزائے موت تھی ہم نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔ ہر قوم کی ہلاکت کی مختلف صورتیں ظاہر ہوئیں ان میں سے فرعون چونکہ خدائی کا دعویدار تھا اور اس کی قوم اُس کی تصدیق کرتی تھی اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کر دیا گیا وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ یعنی ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔ دوسری قوموں کی ہلاکت کی صورتیں یہاں بیان نہیں کی گئیں؛ دوسری آیات میں اُس کی بھی تفصیل موجود ہے کہ کسی پر زلزلہ آیا، کوئی زمین کے اندر دھنسا دی گئی، کسی کی صورتیں مسخ ہوگئی، کسی پر ہوا کا طوفان مسلط ہو گیا۔ اور آخر میں مشرکینِ مکہ پر غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے عذاب آیا۔

اس کے بعد کی آیت میں انھیں کافروں کے بارہ میں ارشاد فرمایا اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اس میں لفظ دوآب دابّہ کی جمع ہے جس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں سب کو یہ لفظ شامل ہے مگر عام محاورات میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا حال بے شعوری میں جانوروں سے بھی زیادہ گرا ہوا تھا اس لئے اس لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ معنی آیت کے واضح ہیں کہ تمام جانوروں اور انسانوں میں سب سے بدترین جانور یہ لوگ ہیں۔ آخر آیت میں فرمایا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی خداداد استعداد وقابلیت کو ضائع کر دیا، چوپائے جانوروں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے کو مقصد زندگی بنا لیا، اس لئے ان کی رسائی ایمان تک نہیں ہو سکتی۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ یہ آیت یہود کے چھ آدمیوں کے بارہ میں آئی ہے جن کے متعلق حق تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ آخر تک ایمان نہیں لائیں گے۔

نیز اس لفظ میں اُن لوگوں کو عذاب سے مستثنیٰ کرنا منظور ہے جو اگرچہ اُس وقت کفار کے ساتھ لگے ہوئے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف جدوجہد میں مشغول ہیں مگر آئندہ کسی وقت اسلام قبول کر کے اپنی سابق غلط کاریوں سے توبہ کر لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان میں سے بہت بڑی جماعت مسلمان ہو کر نہ صرف خود صالح ومتقی بن گئی بلکہ دنیا کے لئے مصلح اور تقویٰ کی داعی بن کر کھڑی ہوئی۔

تیسری آیت اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یہ آیت یہود مدینہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق ہے۔ پچھلی آیتوں میں مشرکینِ مکہ پر میدانِ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذابِ الٰہی نازل ہونے کا ذکر اور پچھلی امتوں کے کفار سے اُن کی تمثیل کا بیان ہوا تھا۔ اس آیت میں اُس ظالم جماعت کا ذکر ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے لئے مارِ آستین بنی اور جو ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح وآشتی کی دعویدار تھی دوسری طرف مشرکینِ مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتی تھی۔ یہ لوگ مذہباً یہود تھے اور جس طرح مشرکینِ مکہ میں اسلام کے خلاف سب سے بڑا علمبردار ابوجہل تھا اسی طرح یہودِ مدینہ میں اس کا علمبردار کعب بن اشرف تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب تو ہوئے مگر دل میں اسلام دشمنی کی آگ ہمیشہ سُلگتی رہتی تھی۔

اسلامی سیاست کا تقاضا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو یہود مدینہ کو کسی نہ کسی معاہدہ کے تحت ساتھ لگایا جائے۔ تاکہ وہ مکہ والوں کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہود بھی اپنی مرعوبیت کی بنا پر اسی کے خواہشمند تھے

اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر اسلامی سیاست کی سب سے پہلی بنیاد اس کو بنایا کہ مہاجرین وانصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کو ختم کر کے ایک نئی قومیت اسلام کے نام پر قائم فرمائی مہاجرین وانصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے باہمی اختلافات جو صدیوں سے چلے آرہے تھے سب کو دور فرما کر آپس میں بھی اور مہاجرین کے ساتھ بھی بھائی بھائی بنا دیا۔

دوسرا قدم معاہدۂ یہود

اس سیاست کا دوسرا قدم یہ تھا کہ حریفِ مقابل دو تھے ایک مشرکینِ مکہ جن کی ایذاؤں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسرے یہودِ مدینہ جو اب مسلمانوں کے پڑوسی بن گئے تھے ان میں سے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا جس کا عہدنامہ مفصل لکھا گیا اس معاہدہ کی پابندی اطرافِ مدینہ کے سب یہودیوں پر اور اس طرف تمام مہاجرین وانصار پر عائد تھی۔ معاہدہ کا پورا متن البدایہ والنہایہ ابن کثیر میں اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مفصل موجود ہے اس کا سب سے اہم جزء یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سب کے لئے واجب التعمیل ہوگا، دوسرا جزء یہ تھا کہ یہودِ مدینہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کو ظاہراً یا باطناً کوئی امداد نہیں دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے غزوۂ بدر کے وقت عہد شکنی

کر کے مشرکینِ مکہ کو اسلحہ اور سامانِ جنگ سے مدد پہنچائی۔ مگر جب غزوۂ بدر کا انجام مسلمانوں کی فتح مبین اور کفار کی ہزیمت وشکست کی صورت میں سامنے آیا تو پھر ان لوگوں پر رعب غالب ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر عذر کیا کہ اس مرتبہ ہم سے غلطی ہوگئی اس کو معاف فرمادیں آئندہ عہد شکنی نہیں کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حلم وکرم جو آپ کا شعار تھا اُس کی بنا پر دوبارہ معاہدہ کی تجدید فرمالی۔ مگر یہ لوگ اپنی سرشت سے مجبور تھے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست اور نقصان کا علم ہو کر ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ان کا سردار کعب بن اشرف خود سفر کر کے مکہ پہنچا اور مشرکینِ مکہ کو اس پر آمادہ کیا گیا کہ اب وہ پوری طیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کریں اور یہودِ مدینہ اُن کے ساتھ ہوں گے۔

یہ دوسری عہد شکنی تھی جو ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کی۔ آیتِ مذکورہ میں اس بار بار کی عہد شکنی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی شرارت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کر لیا مگر یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے رہے۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا وَهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ۔ یعنی یہ لوگ ڈرتے نہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بدنصیب لوگ چونکہ ہوس دنیا میں مست و بے ہوش ہیں آخرت کی فکر ہی نہیں اس لئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے بدکردار عہد شکن لوگوں کا جو انجام بد اس دنیا میں ہوا کرتا ہے یہ لوگ اپنی غفلت ونادانی کی وجہ سے اُس سے نہیں ڈرتے۔

پھر ساری دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے اپنی اس بدکرداری کی سزا چکھی۔ ابوجہل کی طرح کعب بن اشرف مارا گیا، اور یہودِ مدینہ جلا وطن کئے گئے۔

چوتھی آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدعہدوں کے بارہ میں ایک ہدایت نامہ دیا جس کے الفاظ یہ ہیں

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝

اس میں لفظ تَثْقَفَنَّهُمْ کے معنی ہیں ان پر قابو پانے کے اور شَرِّدْ مصدر تشرید سے بنا ہے جس کے اصلی معنی بھگا دینے اور منتشر کر دینے کے ہیں معنی آیت کے یہ ہیں کہ اگر آپ کسی جنگ میں ان لوگوں پر قابو پالیں تو ان کو ایسی سخت دردناک سزا دیں جو دوسروں کے لئے عبرت ہو جائے ان کے پیچھے جو لوگ ان کے سہارے پر اسلام دشمنی میں لگے ہوئے ہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ اب خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچائیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ان کو ایسی سزا دی جائے جس کو دیکھ کر مشرکینِ مکہ اور دوسرے دشمن قبائل بھی متاثر ہوں اور آئندہ اُن کو مسلمانوں کے

مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ رہے۔

آخر آیت میں لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ فرما کر رب العالمین کی رحمت عامہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس دردناک سزا کا اصلی مقصد بھی کوئی انتقام لینا یا اپنے غصہ کو فرو کرنا نہیں بلکہ انھیں کی یہ مصلحت ہے کہ شاید یہ صورت حال دیکھ کر یہ لوگ کچھ ہوش میں آجائیں اور اپنے کئے پر نادم ہو کر اپنی اصلاح کر لیں۔

معاہدۂ صلح کو ختم کرنے کی صورت

پانچویں آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ وصلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی گئی ہے جس میں معاہدہ کی پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے خیانت یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے ہم اُن کے خلاف کوئی اقدام کریں بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ اُن کو اطمینان وفرصت کی حالت میں اس سے آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدنیتی یا خلاف ورزی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے یا یہ کہ تمہارے معاملات مشتبہ نظر آتے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے تم کو بھی ہر طرح اختیار ہے کہ ہمارے خلاف جو کارروائی چاہو کرو۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ۔

یعنی اگر آپ کو کسی قوم معاہد سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اُن کا عہد اُن کی طرف ایسی صورت سے واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح ہو چکا ہے اُس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اگرچہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے۔ وہ بھی جائز نہیں البتہ اگر دوسری طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کھلے طور پر ان کو اعلان کے ساتھ آگاہ کر دیں کہ ہم آئندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے۔ مگر یہ اعلان ایسی طرح ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اُس میں برابر ہوں۔ یعنی ایسی صورت نہ کی جائے کہ اس اعلان وتنبیہ سے پہلے اُن کے مقابلہ کی طیاری کر لی جائے اور وہ خالی الذہن ہونے کی بنا پر طیاری نہ کر سکیں بلکہ جو کچھ طیاری کرنا ہے وہ اس اعلان وتنبیہ کے بعد کریں۔

یہ ہے اسلام کا عدل وانصاف کہ خیانت کرنے والے دشمنوں کے بھی حقوق کی حفاظت کی

جاتی ہے اور مسلمانوں کو اُن کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پیشتر کوئی طیاری بھی اُن کے خلاف نہ کریں۔ (مظہری وغیرہ)

ایفائے عہد کا ایک واقعۂ عجیبہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبلؒ نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التوار جنگ کا معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ اُس قوم کے قریب پہنچا دیں تاکہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر عین اُس وقت جب حضرت معاویہؓ کا لشکر اُس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ دیکھا گیا کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہے ہیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ۔ یعنی نعرۂ تکبیر کے ساتھ یہ کہا کہ ہم کو معاہدہ پورا کرنا چاہئے اُس کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس قوم سے کوئی صلح یا ترکِ جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں۔ حضرت معاویہؓ کو اس کی خبر کی گئی۔ دیکھا تو یہ کہنے والے بزرگ حضرت عمرو بن عنبسہؓ صحابی تھے۔ حضرت معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تاکہ التوار جنگ کی میعاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں۔ (ابن کثیر)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝۵۹

اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے، وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ

اور تیار کرو اُن کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ

کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر اُن کے سوا،

لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ

جن کو تم نہیں جانتے، اللہ اُن کو جانتا ہے، اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝۶۰ وَاِنْ جَنَحُوْا

کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا۔ اور اگر وہ جھکیں

لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱

صلح کی طرف تو تو بھی جھک اُسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر، بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ

اور اگر وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو کافی ہے اللہ، اُسی نے

اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲

تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا۔

خلاصۂ تفسیر

اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ (خدا تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے (کہ اس کے ہاتھ نہ آئیں یا تو دنیا ہی میں مبتلائے عقوبت کر دے گا ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے) اور ان کافروں سے (مقابلہ کرنے) کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس (سامان) کے ذریعہ سے تم (اپنا) رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور (تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے) تمہارے دشمن ہیں (جن سے شب و روز تم کو سابقہ پڑتا رہتا ہے) اور ان کے علاوہ دوسرے (کافروں) پر بھی (رعب جمائے رکھو) جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے (بلکہ) ان کو اللہ ہی جانتا ہے (جیسے کفار فارس اور روم وغیرہم جن سے اس وقت سابقہ نہیں پڑا مگر صحابہ کا ساز و سامان و فن سپہ گری اپنے وقت میں ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا اور ان پر بھی رعب جما بعض مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی اثر رعب کا ہے) اور اللہ کی راہ میں (جس میں جہاد بھی آگیا) جو کچھ بھی خرچ کرو گے (جس میں وہ خرچ بھی آگیا جو ساز و یراق درست کرنے میں کیا جائے) وہ (یعنی اس کا ثواب) تم کو (آخرت میں) پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے لئے (اس میں) کچھ کمی نہ ہوگی اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو آپ (کو) بھی (اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو) اس طرف جھک جائیے اور (اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ ان کی چال نہ ہو تو) تو اللہ پر بھروسہ رکھئے (ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے) بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے (ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا) اور اگر (واقع میں وہ احتمال صحیح ہو اور) وہ لوگ (سچ مچ صلح سے) آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ (کی مدد اور حفاظت کرنے) کے لئے کافی ہیں (جیسا کہ اس کے قبل بھی آپ کی کفایت فرماتے تھے چنانچہ) وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (یعنی ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد یعنی) مسلمانوں سے قوت دی۔